27

کوشش کرو کہ اسلام کی وہ فتوحات جو احمدیت کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والی ہیں اُن میں تمہارا بھی حصہ ہو

(فرمودہ 3 ستمبر 1948ء یارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"چونکہ کل اِنْشَاءَ اللّٰہُ دس بجے صبح کی گاڑی سے میرا یہاں سے چلے جانے کا ارادہ ہے اس لیے یہ جمعہ اگر خدا تعالیٰ کی مشیت یہی ہوئی تو ہمارے سفر کا آخری جمعہ ہوگا۔ ہر کام جو شروع ہوتا ہے اس کا کوئی انجام بھی ہوتا ہے۔ کئی کام ایسے ہوتے ہیں جو ظاہری طور پر نہایت اہم معلوم ہوتے ہیں لیکن انجام کے لحاظ سے نہایت حقیر ثابت ہوتے ہیں اور کئی ایسے کام ہوتے ہیں جو بظاہر نہایت حقیر نظر آتے ہیں لیکن انجام کے لحاظ سے وہ بہت اہم ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے رؤیا میں دیکھا کہ چاند اور ستارے آپ کو سجدہ کر رہے ہیں لیکن ستاروں سے مراد محض ان کے بھائی تھے جو دینی لحاظ سے بھی کوئی بڑا درجہ نہیں رکھتے تھے اور دنیوی لحاظ سے بھی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ آپ نے رؤیا میں ستارے دیکھے لیکن نکلے بھائی۔ اس کے مقابلہ میں فرعون نے خواب میں چند سِٹّے دیکھے لیکن نکلا اُس سے ملک کا قحط۔ یہ نظارہ بہت چھوٹا تھا لیکن اس کی تعبیر بہت بڑی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے

خواب کا نظارہ بہت بڑا تھا لیکن تعبیر بہت چھوٹی تھی۔ اسی طرح ظاہری اعمال کا بھی حال ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک چھوٹا سا بیج بویا جاتا ہے لیکن بعد میں وہ نشوونما پاتے پاتے اتنا ترقی کر جاتا ہے کہ دنیا حیران ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ ایک چیز ابتدا میں نہایت اہم نظر آتی ہے لیکن اس کا انجام اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے کہ ایک چھوٹی سی بات کو اتنی اہمیت اور عظمت کیوں دی گئی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل قریباً ہم عمر تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ایسی حالت میں ہوئی کہ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اگر وہ زندہ بھی ہوتے تو پھر بھی وہ کوئی مالدار آدمی نہیں تھے۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب امیر لوگوں میں سے نہیں تھے۔ آپ آسودہ حال تو ضرور تھے چنانچہ آپ کا دو اڑھائی سو اونٹ ثابت ہوتا ہے لیکن چونکہ آپ ایک سخی آدمی تھے اس لیے آخری عمر میں آپ کی دولت بہت کم ہو گئی تھی۔ پس اول تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہی کوئی امیر خاندان نہیں تھا۔ دوسرے آپ خصوصیت سے غریبانہ حالت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ آپ کی پیدائش پر آپ کی والدہ نے کیا خوشی کی ہوگی۔ آپ کی والدہ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ لوگ تو دنیا کو دیکھتے ہیں، مال اور دولت کو دیکھتے ہیں۔ جہاں روپیہ ہوتا ہے وہاں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور جہاں روپیہ نہیں ہوتا وہاں سے وہ بھاگ جاتے ہیں۔ آپ کی والدہ کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ شاید آپ کے قریبی رشتہ دار مبارکباد کے لیے آ گئے ہوں مگر دوسرے لوگوں نے آپ کی پیدائش کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن ابوجہل کا باپ مالدار تھا۔ جب وہ پیدا ہوا ہوگا اس کے ماں باپ نے کتنی خوشیاں منائی ہوں گی۔ ابوجہل کا نام ابوالحکم تھا یعنی حکمتوں کا باپ، عقلمند، دانا اور مدبّر۔ لیکن بعد میں اُس نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی اور حماقت کا اظہار کیا تو مسلمانوں نے اُس کا نام ابوجہل رکھ دیا۔ ابوجہل کے ماں باپ چونکہ مالدار تھے اس لیے جب وہ پیدا ہوا ہوگا تو ہر وہ شخص جس کی ضروریات ان سے وابستہ ہوں گی ان کے گھر پہنچا ہوگا اور اس کی پیدائش پر مبارکباد دی ہوگی اور کہا ہوگا ہمارا ملک کتنا ہی خوش قسمت ہے جس میں اس جیسا بچہ پیدا ہوا۔ اس کے چہرہ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقبال کا ستارہ کتنا بلند ہے۔ غرض اس کی تعریف میں لوگوں نے ہزاروں ہزار مبالغے کیے ہوں گے۔ معلوم نہیں اس کی پیدائش پر کتنے اونٹ ذبح کر کے دعوتیں کی گئی ہوں گی، خوشی میں دَفیں بجائی گئی ہوں گی، عورتوں نے

گیت گائے ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر آپ کے گھر کے پاس سے گزرنے والے یہ خیال کرتے ہوں گے کہ ایک غریب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے جو خود بخود ختم ہو جائے گا۔ لیکن ابوجہل کی پیدائش پر اس کے گھر کے پاس سے گزرنے والے یہ سمجھتے ہوں گے کہ آج ایک رئیس پیدا ہوا ہے، نہ معلوم بڑا ہو کر یہ کیا کچھ کرے گا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا بظاہر ایک ادنیٰ رنگ میں ہوئی لیکن انتہا کیا ہوئی؟ وہی بچہ جس کو دائیاں لینے کے لیے تیار نہیں تھیں، جس کی پیدائش پر مکہ والوں نے کوئی خوشی نہیں منائی تھی، جس کی پیدائش پر مکہ والوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا جب فوت ہوا تو وہ عرب کی تاریخ میں ہی نہیں دنیا کی تاریخ میں ایک غیر معمولی حیثیت رکھتا تھا۔ سارے عرب قبائل اس کے زیرِ سایہ تھے جو آپ سے پہلے کسی بادشاہ کے مطیع نہیں ہوئے تھے۔

پھر بادشاہوں کو جو ظاہری عظمت حاصل ہوتی ہے اس کی وجہ سے ڈر کے مارے لوگ ان کی بزرگیاں بیان کرتے ہیں لیکن دل میں انہیں ہزاروں ہزار گالیاں دیتے ہیں۔ بادشاہ جب مر جاتے ہیں تو بے شک ان کی موت سے ملک کو صدمہ بھی ہوتا ہے لیکن لوگ یہی کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اگر مر گیا ہے تو کوئی دوسرا شخص بادشاہ بن جائے گا اور وہ وہی کام شروع کر دے گا جو پہلا بادشاہ کرتا تھا۔ انگریزی میں ایک مثل ہے "King never dies" یعنی بادشاہ کبھی نہیں مرتے۔ ایک بادشاہ مر جاتا ہے تو دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے اور پہلے بادشاہ اور دوسرے بادشاہ میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ اگر قوم بیدار ہوتی ہے تو دوسرے بادشاہ کے وقت میں بھی وہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی وفات کو تمام عرب نے جو اُس وقت آپ کی خوبیوں، اہمیت اور عظمت کا قائل ہو چکا تھا ایک انسان کی موت خیال نہیں کیا، ملک کی موت خیال نہیں کیا بلکہ دنیا کی موت خیال کیا۔ چنانچہ حسان بن ثابتؓ نے آپ کی وفات پر جو شعر کہے وہ یہ ہیں

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ فَعَمِيَ عَلَيَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ[1]

یارسول اللہ! كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ آپ میری آنکھوں کی پتلی تھے۔ آپ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ میری آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ اب کوئی بادشاہ مرتا پھرے مجھے اُس سے کیا۔ مَیں تو آپ کے متعلق ہی ڈرتا تھا۔ یہ وہ جذبۂ عقیدت تھا جو آپؐ کے متعلق صحابہؓ میں پایا جاتا تھا۔

حسانؓ بن ثابت نے ایک شاعرانہ کلام ہی نہیں کہا بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ تمام عرب نے حسانؓ بن ثابت کے ان شعروں کو اپنے ہی جذبات کا اظہارِ خیال کہا۔ گویا عرب کی آواز حسانؓ بن ثابت کی زبان پر جاری ہوگئی۔ تاریخ کہتی ہے کہ ہفتوں تک مدینہ، مکہ اور دوسرے مسلمان شہروں والے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے، بازاروں میں چلتے ہوئے اور اپنے کاروبار کرتے ہوئے یہی شعر پڑھتے تھے

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

لیکن ابوجہل جس کی پیدائش پر ہفتوں اونٹ ذبح کر کے لوگوں میں گوشت تقسیم کیا گیا تھا، جس کی پیدائش پر دفوں کی آواز سے مکہ کی فضا گونج اُٹھی تھی بدر کی لڑائی میں جب مارا جاتا ہے تو پندرہ پندرہ سال کی عمر کے دو انصاری چھوکرے تھے جنہوں نے اسے زخمی کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جنگ کے بعد لوگ جب واپس جا رہے تھے تو مَیں میدانِ جنگ میں زخمیوں کو دیکھنے کے لیے چلا گیا۔ آپ بھی مکہ کے ہی تھے اس لیے ابوجہل آپ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مَیں میدانِ جنگ میں پھر ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ابوجہل زخمی پڑا کراہ رہا ہے۔ جب مَیں اس کے پاس پہنچا تو اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مَیں اب بچتا نظر نہیں آتا۔ تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے (اُس کا بیٹا عکرمہؓ بھی اسے چھوڑ کر بھاگ گیا تھا)۔ تم بھی مکہ والے ہو مَیں یہ خواہش کرتا ہوں کہ تم مجھے مار دو تا میری تکلیف دور ہو جائے۔ لیکن تم جانتے ہو کہ مَیں عرب کا سردار ہوں اور عرب میں یہ رواج ہے کہ سرداروں کی گردنیں لمبی کر کے کاٹی جاتی ہیں اور یہ مقتول کی سرداری کی علامت ہوتی ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ تم میری گردن لمبی کر کے کاٹنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اس کی گردن ٹھوڑی سے کاٹ دی اور کہا کہ تیری یہ آخری حسرت بھی پوری نہیں کی جائے گی۔2 خواہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق یہ بات نہ ہو کیونکہ آپ کی یہ تعلیم تھی کہ دشمن پر بھی رحم کیا جائے لیکن انجام کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ابوجہل کی موت کتنی ذلت کی موت تھی۔ جس کی گردن اپنی زندگی میں ہمیشہ اونچی رہا کرتی تھی وفات کے وقت اُس کی گردن نیچے سے کاٹی گئی اور اس کی یہ آخری حسرت بھی پوری نہ ہوئی۔ پھر چونکہ کفار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں

گڑھے کھودا کرتے تھے اور آپ کی یہ پیشگوئی تھی کہ جن گڑھوں میں یہ لوگ آپ کو گرانا چاہتے ہیں ان میں یہ خود گرائے جائیں گے۔ اس لیے بدر کی جنگ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان کفار کی لاشوں کو کنویں میں گرا دیا جائے۔ آپ کے اس حکم کے مطابق صحابہؓ نے کفار کی لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا۔3 غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل دونوں کی پیدائش اور وفات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے وقت جو بظاہر ذلیل نظر آتا تھا وفات کے وقت سیّدِ عرب بنا۔ لیکن جو سیدِ عرب نظر آتا تھا وہ وفات کے وقت نہایت ہی ذلیل وجود ثابت ہوا۔ غرض بعض دفعہ ایک چیز کی ابتدا اَور ہوتی ہے اور انتہا اَور ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب پیدا ہوئے تو آپؑ کے ماں باپ نے آپؑ کی پیدائش پر خوشی کی ہوگی مگر جب آپؑ کی عمر بڑی ہوگئی اور آپ کے اندر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگئی تو آپ کے ماں باپ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر آہیں بھرا کرتے تھے کہ ہمارا یہ بیٹا کسی کام کے قابل نہیں۔ مجھے ایک سکھ نے بتایا کہ ہم دو بھائی تھے۔ ہمارے والد صاحب مرزا صاحب (مرزا غلام مرتضٰی صاحب) کے پاس آیا کرتے تھے۔ ہم بھی بسا اوقات ان کے ساتھ آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مرزا صاحب نے ہمارے والد سے کہہ دیا کہ تمہارے لڑکے غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس آتے جاتے ہیں تم اُن سے کہو کہ اسے جا کر سمجھائیں۔ ہم دونوں جب آپ کے پاس جانے کے لیے تیار ہوگئے تو مرزا صاحب نے کہا کہ غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو جا کر کہنا کہ تمہارے والد کو اس خیال سے بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس کا چھوٹا لڑکا اپنے بڑے بھائی کی روٹیوں پر پلے گا۔ اسے کہو کہ وہ میری زندگی میں ہی کوئی کام کرے۔ مَیں کوشش کر رہا ہوں کہ اسے کوئی اچھی نوکری مل جائے۔ مَیں مر گیا تو پھر سارے ذرائع بند ہو جائیں گے۔ مجھے اُس سِکھ نے بتایا کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے والد صاحب آپ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ آپ کچھ کام نہیں کرتے بہت دکھ ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مَیں مر گیا تو غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا کیا بنے گا؟ آپ اپنے والد صاحب کی بات کیوں نہیں مان لیتے؟ آپ کے والد صاحب اُس وقت کپورتھلہ میں کوشش کر رہے تھے۔ کپورتھلہ کی ریاست نے آپ کو ریاست کا افسر تعلیم مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور سکھ کہنے لگا کہ جب ہم نے یہ بات کہی کہ آپ اپنے والد کی بات

کیوں نہیں مان لیتے، آپ کچھ کام کر لیں۔ تو آپ فرمانے لگے والد صاحب تو یونہی غم کرتے رہتے ہیں۔ انہیں میرے مستقبل کا فکر ہے۔ مَیں نے تو جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے۔ ہم واپس آ گئے اور مرزا صاحب (مرزا غلام مرتضٰی صاحب) سے آ کر ساری بات کہہ دی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اگر اس نے یہ بات کہی ہے تو ٹھیک ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولا کرتا۔

یہ آپ کی ابتدا تھی اور پھر ابھی تو انتہا نہیں ہوئی لیکن جو عارضی انتہا نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی وفات کے وقت ہزاروں ہزار آدمی آپؑ پر قربان ہونے والا موجود تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں:۔

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ كَانَ اُكُلِیْ وَصِرْتُ الْيَوْمَ مِطْعَامَ الْاَهَالِیْ 4

ایک وہ زمانہ تھا جب بچے ہوئے ٹکڑے مجھے دیے جاتے تھے اور آج میرا یہ حال ہے کہ مَیں سینکڑوں خاندانوں کو پال رہا ہوں۔ آپ کی ابتدا کتنی چھوٹی تھی مگر آپ کی انتہا ایسی ہوتی ہے کہ علاوہ ان لوگوں کے جو خدمت کرتے تھے لنگر میں روزانہ دو اڑھائی سو آدمی کھانا کھاتے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ اپنے والد کی جائیداد میں اپنے بھائی کے برابر کے شریک تھے لیکن زمینداروں میں یہ عام دستور ہے کہ جو کام کرے وہ تو جائیداد میں شریک سمجھا جاتا ہے اور جو کام نہیں کرتا وہ جائیداد میں شریک نہیں سمجھا جاتا اور یہ دستور ابھی تک چلا آتا ہے۔ لوگ عموماً کہہ دیتے ہیں کہ جو کام نہیں کرتا اُس کا جائیداد میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے پاس جب کوئی ملاقاتی آتا اور آپ اپنی بھاوجہ کو کھانے کے لیے کہلا بھیجتے تو وہ آگے سے کہہ دیتی کہ وہ یونہی کھا پی رہا ہے کام کاج تو کوئی کرتا نہیں۔ اس پر آپ اپنا کھانا اس مہمان کو کھلا دیتے اور خود فاقہ کر لیتے۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہی بھاوجہ جو اُس وقت آپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھی بعد میں میرے ہاتھ پر احمدیت میں داخل ہوئی۔

غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی کام شروع کیا جاتا ہے تو اس کی ابتدا بڑی نظر نہیں آیا کرتی لیکن اس کی انتہا پر دنیا حیران ہو جاتی ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب آپ کو گاؤں کے لوگ بھی نہیں پہچان سکتے تھے کیونکہ آپ ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہا کرتے تھے لیکن اب وہ وقت ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں آپ کے ماننے والے تھوڑے بہت لوگ موجود ہیں۔ پھر آپ کی جماعت ایک جگہ پر ٹھہری ہوئی نہیں بلکہ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ جب مَیں خلیفہ ہوا تو ہمارے خزانہ میں صرف چند آنے کے پیسے تھے اور وہ لوگ جو سلسلہ کے کرتا دھرتا تھے، جو لوگ خزانہ پر قابض تھے، سارے نظام پر قابض تھے

سارے کے سارے قریباً مخالف ہو گئے تھے۔ اُس وقت جماعت کا اکثر حصہ مخالف تھا۔ یہاں تک کہ "پیغامِ صلح" میں یہ شائع ہوا تھا کہ صرف جماعت کا پانچ فیصدی حصہ میاں محمود کے ساتھ ہے۔ اُس وقت مجھے الہام ہوا ''کون ہے جو خدا کے کاموں کو روک سکے''۔ چنانچہ مَیں نے اسے شائع کرا دیا اور لکھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ کہا ہے۔ ابھی اس الہام پر دو مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ جماعت کا پچانوے فیصدی حصہ میرے ساتھ شامل ہو چکا تھا اور صرف پانچ فیصدی حصہ باہر تھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے جماعت کو ترقی دینی شروع کی اور ہندوستان سے باہر بھی ہمارے مشن قائم ہو گئے۔ سارے کے سارے مشن میرے ہی زمانہ میں قائم ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے ہمارا ایک بھی مشنری باہر نہیں تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب جو لندن گئے اُن کے متعلق ہر ایک جانتا ہے کہ وہ دراصل رضوی صاحب کا جو نظام حیدر آباد کی پھوپھی زاد بہن کے خاوند تھے مقدمہ لڑنے لندن گئے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں بھی ہمارا کوئی باقاعدہ مبلغ نہیں تھا۔ صرف شیخ غلام احمد صاحب واعظ کو انجمن سفر خرچ دیا کرتی تھی اور وہ دورہ کیا کرتے تھے۔ لیکن میرے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے جو جماعت کو دن بدن ترقی دی تو مبلغ بھی بن گئے، مشن بھی بن گئے اور جماعت کہیں کی کہیں جا پہنچی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں جو آخری جلسہ سالانہ ہوا اُس میں صرف 700 آدمی تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانہ میں جو آخری جلسہ سالانہ ہوا اُس میں دو اڑھائی ہزار آدمی جمع ہوئے تھے مگر قادیان میں میرے ہر خطبہ جمعہ میں چار پانچ ہزار آدمی جمع ہو جاتے تھے اور جلسہ سالانہ پر تو چالیس ہزار سے بھی تعداد بڑھ جاتی تھی۔

پس حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی باتوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ انسان کی نظر پہلے بیج پر پڑتی ہے۔ واقف آدمی جب دیکھتا ہے کہ بیج اچھا ہے تو وہ فوراً سمجھ لیتا ہے کہ فصل بھی اچھی ہوگی مگر ناواقف آدمی اس انتظار میں رہتا ہے کہ جب فصل بڑی ہو جائے گی تو دیکھیں گے۔ میرا یہاں آنا بھی ایسا ہی تھا۔ ہر ایک کام جو کیا جاتا ہے اس کی ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا ہوتی ہے۔ میرے اس سفر کی ابتدا تو یہ تھی کہ مَیں عموماً اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے رمضان میں کسی ٹھنڈی جگہ پر چلا جاتا ہوں۔ اس دفعہ مَیں نے یہاں کے دوستوں کو لکھا کہ آیا کوئٹہ میں رہائش کا بندوبست ہو جائے گا؟ تو انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ انتظام ہو جائے گا۔ پہلے انتظام ناقص تھا۔ دوست کچھ اَور سمجھتے تھے مگر جب وہ سمجھ گئے

تو انہوں نے جگہ کا بندوبست کر دیا اور نہایت قربانی کے ساتھ اس عمارت کی چار دیواری بھی بنا دی۔ گویا ایک نئی بلڈنگ تیار کر کے رکھ دی اور مَیں سمجھتا ہوں انہوں نے ایک نہایت عمدہ قربانی کا اظہار کیا ہے۔ یہ تو ہماری غرض تھی مگر خدا تعالیٰ یہ سمجھتا تھا کہ اس کے نتیجہ میں جماعت کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔

میرے یہاں آنے پر مخالفت شروع ہوگئی۔ ہمارے خلاف باتیں کی جانے لگیں۔ جماعت احمدیہ پر اتہام لگانے شروع کر دیئے گئے اور مخالفین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم قرآن کو منسوخ سمجھتے ہیں، اسلام کو منسوخ سمجھتے ہیں، شریعت کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ گویا جتنے منہ تھے اتنی باتیں شروع ہوگئیں۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ ایسی باتیں کر کے ہمارا ہی شکار ہو رہے ہیں۔ درحقیقت مخالفت کے ذریعہ ہی لوگوں میں خدائی سلسلہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم یہاں آتے اور ہماری مخالفت نہ ہوتی تو کوئی ہماری طرف توجہ بھی نہ کرتا بلکہ کسی کو ہمارے یہاں آنے کا پتہ بھی نہ لگ سکتا۔ اگر ہمارے آدمی دوسروں کے پاس جاتے تو وہ کہہ دیتے "اپنے منہ میاں مٹھو"۔ لوگ کہتے کوئی ہوگا جو یہاں آ گیا ہے لیکن مولویوں نے ہمارے خلاف تقریریں شروع کر دیں اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی بڑی چیز ہے معمولی چیز نہیں۔ تبھی تو یہ لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ بلّی کے آنے پر تو شور نہیں مچایا جاتا شیر کے آنے پر شور مچایا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ خود ہی ہمارے شکار ہونے لگے۔ جب مَیں نے دیکھا کہ احمدیت کے لیے یہاں رستہ کھل گیا ہے تو مَیں نے درس دینا شروع کر دیا تا احمدیت اور اسلام کی عظمت ظاہر ہو۔ میرے اندر ایک بے کلی سی تھی جس کی وجہ سے مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو تفسیر مَیں نے لکھوانی ہے اُس کا درس یہاں دے دوں۔ لکھنے والے لکھتے جائیں گے اور سننے والے اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ چونکہ لوگوں میں پہلے ہی رغبت پیدا ہو چکی تھی اس لیے لوگوں نے یہاں آنا شروع کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مہینہ کے آخر تک پانچ چھ سو آدمیوں نے ہمارے خیالات سنے اور پھر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کسی نے ہماری تائید میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کسی نے ہماری مخالفت میں۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے ایک اَور ذریعہ بنا دیا کہ لوگوں نے جوش میں آ کر ایک احمدی نوجوان کو شہید کر دیا۔ مَیں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہم ہی کامیاب ہوں گے اور فتح ہماری ہی ہوگی۔ زمین میں جب کوئی بیج ڈالا جاتا ہے تو اس سے وہی چیز اُگتی ہے جس کا وہ بیج ہوتا ہے۔ جب زمین میں ہم گندم کا بیج ڈالتے ہیں تو اس سے گندم

پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کا بیج ڈالتے ہیں تو اس سے انسان پیدا ہوتے ہیں۔

جب مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا تو بادشاہ نے اپنے افسروں کو بلایا اور کہا کہ تم ان کا کیا مقابلہ کرتے ہو؟ یہ تو ذلیل ترین وجود ہیں انہیں یونہی غلطی لگ گئی ہے۔ تم ان کو میرے پاس بلاؤ مَیں انہیں کچھ روپے دے دیتا ہوں اور وہ واپس چلے جائیں گے۔ بادشاہ نے اپنے کمانڈر کو حکم دیا کہ وہ مسلمان لشکر کے کمانڈر کو کہلا بھیجے کہ وہ ہمارے پاس اپنا ایک وفد بھیجے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور مسلمانوں کا ایک وفد آ گیا جس کے لیڈر ایک صحابیؓ تھے۔ وہ ہاتھوں میں نیزے پکڑے ہوئے شاہی قالینوں پر سے بغیر جوتی اتارے گزر گئے۔ اِس پر بادشاہ کو اَور بھی یقین ہو گیا کہ یہ وحشی لوگ ہیں۔ بادشاہ نے اس وفد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم جاہل لوگ ہو۔ تمہیں سلطنت سے کیا غرض؟ تمہیں بادشاہت سے کیا واسطہ؟ تم لوگوں میں وہ گناہ اور عیب پائے جاتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر ایک شریف انسان اپنی گردن نیچے کر لیتا ہے۔ تم ڈاکے مارتے ہو، گوہیں کھاتے ہو، مُردار کھاتے ہو۔ مَیں تمہیں کچھ روپیہ دے دیتا ہوں وہ لے لو اور واپس چلے جاؤ۔ وفد کے سردار نے جو ایک صحابی تھے جواب دیا کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ٹھیک ہے۔ ہم ایسے ہی تھے بلکہ اِس سے بھی بدتر۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا۔ اس نے ہماری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اب ہم دنیا کو پڑھانے کے لیے باہر نکلے ہیں۔ دنیا میں انصاف اور عدل کو قائم کرنے کے لیے باہر نکلے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں روپیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ روپیہ تو ایک حقیر چیز ہے۔ بادشاہ کو اس جواب پر غصہ آ گیا۔ اس نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا کہ وہ مٹی کی ایک بوری بھر لائے۔ وہ نوکر مٹی کی ایک بوری بھر لایا۔ بادشاہ نے وفد کے سردار صحابیؓ کو آگے بلایا اور کہا جھک جاؤ۔ وہ اگر چاہتے تو انکار بھی کر سکتے تھے مگر وہ نہایت ادب سے آگے آ گئے اور جھک گئے۔ بادشاہ نے مٹی کی بوری ان کے سر پر رکھوا دی اور کہا جاؤ اس کے سوا تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ جیسے پنجابی میں کہتے ہیں ''کِھہ کھاؤ''۔ اس بادشاہ نے بھی کہا جاؤ مَیں تمہیں ذلیل کرتا ہوں۔ وہ صحابی اگر چاہتے تو مٹی کی بوری سر پر نہ رکھواتے مگر وہ جان بوجھ کر آگے آئے اور جھک گئے اور اس طرح بوری کو اپنے سر پر رکھوا لیا۔ مشرک کا دل کمزور ہوتا ہے۔ موحّد ہی ہوتا ہے جس کا دل دلیر ہوتا ہے۔ مشرک تو چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی ڈر جاتا ہے۔ وہ ہوا کو بھی خدا سمجھتا ہے، پہاڑ کو بھی خدا سمجھتا ہے، پتھر کو بھی خدا سمجھتا ہے۔ وہ ہر ایک چیز سے ڈرتا ہے۔ اس صحابی نے جب مٹی کی بوری سر پر رکھوا لی تو اپنے

ساتھیوں سے کہا آ جاؤ بادشاہ نے اپنی ایران کی زمین خود اپنے ہاتھ سے ہمارے سپرد کر دی ہے۔اس فقرہ کا اس صحابی کے منہ سے نکلنا ہی تھا کہ بادشاہ گھبرا گیا۔اس نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ جلدی سے بوری واپس لے آؤ۔مگر مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر دور نکل چکے تھے۔5 بظاہر تو بادشاہ نے اس صحابیؓ کے سر پر مٹی رکھی تھی اور ذلیل کیا تھا لیکن واقعہ یہی ہوا کہ بادشاہ نے خود ہی اپنے ملک کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اسلام انسانی قربانی کو جائز نہیں سمجھتا۔ پرانے زمانہ میں لوگ اپنی اولاد کو قربان کر دیتے تھے، اسے ذبح کر دیتے تھے مگر اسلام نے یہ نہیں کہا۔اسلام اپنے ہاتھ سے انسانی قربانی دینے کو جائز نہیں سمجھتا۔خدا تعالیٰ دشمنوں کے ہاتھوں سے وہ قربانی کرواتا ہے۔اس کے اختیار میں یہ ہے کہ وہ جب چاہے قربانی لے اور جس کی چاہے لے لیکن جب وہ چاہتا ہے کہ دنیا میں کوئی تغیر پیدا ہو تو وہ لوگوں میں تحریک کر دیتا ہے اور وہ اس کی تدبیر کا شکار ہو جاتے ہیں۔

پس یہاں کے لوگوں نے ایک احمدی کو شہید کر کے بلوچستان میں احمدیت کا بیج بو دیا ہے۔ اب اس کا مٹانا ان کے اختیار میں نہیں رہا۔دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔ یہ بیج بڑھے گا اور ترقی کرے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ ایک تناور درخت بن جائے گا اور تمام علاقہ پر چھا جائے گا۔ اب سارے مولوی بھی زور لگا لیں وہ اسے مٹا نہیں سکتے۔خدا کی طاقتوں کا مقابلہ کرنا کس کے اختیار میں ہے۔خدا تعالیٰ کی تدبیریں جداگانہ ہوتی ہیں۔وہ اپنے کاموں میں نرالا ہے، وہ اپنی حکمتوں میں عجیب ہے۔اس کی کُنہ کو پہنچنا انسانی عقل کے اختیار میں نہیں۔پس خدا تعالیٰ نے میرے اس سفر کو جس کی غرض یہاں رمضان کا گزارنا تھا۔اگرچہ یہاں کوئی زیادہ سردی نہیں۔اگر ہم مری چلے جاتے تو شاید اس سے بہتر رہتا، ایک دینی سفر بنا دیا اور اس کو ایک خاص اہمیت بخش دی۔مَیں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت کے دن اب قریب ہیں۔مَیں خدا تعالیٰ کی انگلی کو اٹھا ہوا دیکھتا ہوں۔مَیں اس کے اشارے کو نمایاں ہوتا ہوا پاتا ہوں۔مَیں خدا تعالیٰ کے منشا کو اس کے فضل سے پڑھ رہا ہوں اور سن رہا ہوں اور مَیں یہ جانتا ہوں کہ اب یہ صوبہ ہمارے ہاتھوں سے نکل نہیں سکتا۔یہ ہمارا ہی شکار ہوگا۔دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی ہم سے اب یہ علاقہ چھین نہیں سکتیں۔یہی صوبہ نہیں بلکہ ہمیں سارے ملک ہی ملنے والے ہیں۔دنیا ہمیں حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہے مگر دنیا نے خدا تعالیٰ کے ماموروں اور ان

کی جماعتوں کو کب عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی انہیں حقیر اور ذلیل سمجھتی ہے۔ مگر وہ پتھر جسے حقیر سمجھ کر معماروں نے پھینک دیا تھا خدا تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ وہی کونے کا پتھر ہو اور اس عمارت کے لیے سہارے اور روشنی کا موجب ہو۔ ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے اور اب بھی یہی ہوگا۔

جب بھی خدا تعالیٰ کے مامور دنیا میں کوئی نئی تحریک لے کر آئے لوگ انہیں ذلیل اور حقیر ہی سمجھتے تھے۔ لیکن جب بھی کوئی ایسی تحریک آئی مخالفین اُس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے۔ اگر کوئی خطرہ ہوسکتا ہے تو محض ماننے والوں سے ہوسکتا ہے۔ اتباع کے لیے اپنے دلوں میں بے ایمانی بڑھ جاتی ہے جو اس تحریک کے پھیلنے میں روک بنتی ہے۔ دشمن خواہ کتنی مخالفت کرے وہ اس کے پھیلنے میں روک نہیں بن سکتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپ کے خلاف کتنی کوشش کی مگر کیا وہ کامیاب ہوئے؟ وہ انصار پر بھی حملہ آور ہوئے۔ اس لیے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں پناہ دی ہے۔ لیکن وہ ان کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے۔ ہاں ان کی اپنی ایک غلطی نے انہیں بڑے بڑے انعامات سے محروم کر دیا۔ مکہ فتح ہوا، طائف والوں نے ایک لشکر جمع کیا اور مسلمانوں سے لڑائی کی تیاریاں کیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ آپ خود مقابلہ کے لیے باہر نکلیں۔ آپؐ لڑائی کے لیے تشریف لے گئے۔ نئے مسلمانوں اور کچھ کافروں نے بھی آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلے لوگوں نے بہت سی قربانیاں کر لی ہیں۔ ہمیں بھی اب موقع دیا جائے کہ ہم اسلام کی خاطر لڑیں۔ آپؐ نے اجازت دے دی اور دو ہزار کے قریب نئے مسلمان آپ کے ساتھ چل پڑے۔ یہ لوگ آگے آگے تھے۔ چونکہ یہ کمزور تھے اس لیے دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ان کے قدم اُکھڑ گئے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اسلام میں اگر کوئی جنگ خالص طور پر انصار نے لڑی ہے تو وہ حنین یا ثقیف کی جنگ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر میں جب تشتت اور افتراق دیکھا تو حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ آواز دیں اے انصار! تمہیں خدا کا رسول بلاتا ہے۔ آپ نے آواز دی اور انصار منٹوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ ہمارے اونٹ اتنے ڈر گئے تھے کہ باوجود نکیلیں کھینچنے کے وہ پیچھے نہیں مڑتے تھے۔ جو اونٹ مڑ گئے سو مڑ گئے باقی کی گردنوں کو ہم نے خود اپنی تلواروں سے کاٹ دیا اور پیدل چل کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کی جوش کی حالت تھی جب اسلامی لشکر کو فتح ہوئی

اور مالِ غنیمت ساتھ آیا تو مکہ والے چونکہ حدیثُ العہد تھے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کا مال اُن میں تقسیم کر دیا۔ اِس پر ایک انصاری نے کہا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور اموال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم وطنوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دیئے ہیں۔6 آپ کو بھی کسی نے اطلاع دے دی۔ آپؐ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا اے انصار! مَیں نے ایسی بات سنی ہے۔ انصار نے کہا یارسول اللہ! ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ یہ ایک احمق نوجوان نے کہی ہے۔ ہم خود اس سے متنفر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے انصار! اس بات کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہوسکتا ہے کہ تم کہو کہ جب مکہ والوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکال دیا تو ہم نے آپ کو پناہ دی، ہم اس کے لیے لڑے، ہم نے ہی لڑلڑ کر اسے فتح دلائی اور جب فتح ہوگئی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال اپنی قوم میں تقسیم کر دیا اور ہم کو محروم کر دیا۔ انصار کی حالت گریہ وزاری اور چیخ و پکار کی وجہ سے ایسی تھی جیسے قیامت کا شور ہوتا ہے۔ ان کے سینوں سے گونجیں اٹھ رہی تھیں اور وہ بار بار کہتے تھے یارسول اللہ! ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ صرف ایک نوجوان نے ایسی بات کہہ دی ہے۔ ہم اس سے متنفر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے انصار! ایک پہلو یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی کہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی دعا یہی تھی مگر مکہ والوں نے آپ کی قدر نہ کی اور آپ کو باہر نکال دیا۔ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو مدینہ میں لے گیا اور خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج کر اپنے رسول کو فتح دلائی۔ چنانچہ جو کام مدینہ والوں سے نہیں ہوسکتا تھا وہ خدا نے کیا۔ جب فتح مکہ ہوئی تو مکہ والے سمجھتے تھے کہ ہماری پرانی بیوقوفیوں کا ازالہ ہو جائے گا، ہمارا مال ہمیں واپس مل جائے گا، خدا تعالیٰ کا رسول مکہ میں واپس آ جائے گا۔ مگر خدا تعالیٰ نے یہ پسند نہ کیا کہ مدینہ والوں کو اس نعمت سے محروم کر دے۔ آخر لڑائی کے بعد مکہ والے تو اونٹ ہانک کر اپنے گھروں کو لے گئے اور مدینہ والے خدا تعالیٰ کے رسول کو اپنے ساتھ لے گئے۔7 فرمایا اے انصار! تم یوں بھی کہہ سکتے تھے۔ انصار نے پھر کہا یارسول اللہ! ہم نے ایسا نہیں کہا۔ کسی نوجوان نے ایسا کہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مَیں تمہاری قربانیوں کی قدر کرتا ہوں مگر جو بات منہ سے نکل جاتی ہے وہ واپس نہیں لی جاسکتی۔ تمہیں اس دنیا میں اب بادشاہت نہیں ملے گی۔ تم کوثر پر ہی آکر اپنا انعام مجھ سے لینا۔8

آج اس بات پر 1300 سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر انصار میں سے کوئی بھی بادشاہ

نہیں ہوا۔ مغل بادشاہ ہوئے، پٹھان بادشاہ ہوئے مگر جن لوگوں کے خون سے اسلام کو قائم کیا گیا تھا اُنہیں دنیا میں بادشاہت نہیں ملی۔ پس حقیقت یہی ہے کہ اپنوں کی غلطی کی وجہ سے کوئی روک آتی ہے تو آتی ہے دشمن کے ہاتھوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

پس مَیں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر ایک خاص تبدیلی پیدا کریں اور سچے احمدی بننے کی کوشش کریں۔ دشمن کے دل میں جو کینہ بیٹھا ہوا ہے وہ تو کھاد کا کام دیتا ہے اور احمدیت کو ترقی کی طرف لے جاتا ہے۔ تمہیں جب بھی کوئی تکلیف پہنچے گی تمہارے اپنے نفس کی کمزوری کی وجہ سے پہنچے گی۔

پس تم اپنے آپ کو تیار کرلو اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگو کہ وہ تمہیں ایسی غفلتوں سے بچائے تا تم خدا تعالیٰ کے فضلوں کے جو تمہارے لیے مقدر ہو چکے ہیں وارث بن جاؤ۔ زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے فضل نہیں ٹل سکتے۔ تم کوشش کرو تا تم ان فضلوں کے وارث بن جاؤ اور اسلام کی فتوحات جو احمدیت کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والی ہیں اُن میں تمہارا بھی حصہ ہو اور عزت والا حصہ ہو"۔ (الفضل 22؍اکتوبر 1948ء)

1: دیوان حسانؓ بن ثابت صفحہ 308

2:

3: السیرۃ الحلبیۃ (اردو) جلد دوم نصف آخر صفحہ 35 دارالاشاعت کراچی 1999ء

4: آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 596

5: تاریخ طبری جلد 4 صفحہ 322 تا 325۔ بیروت 1987ء

6: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف

7: بخاری کتاب مناقب الانصار باب مناقب الانصار

8: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف